ایمان افروز اور سبق آموز کہانیوں کا سلسلہ

آستین کے سانپ

کہانی نمبر 5

چڑیا چُگ گئیں کھیت

عزام محسن

اساس انسٹیٹیوٹ

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام مجموعہ:	آستین کے سانپ
نام کہانی:	چڑیا چگ گئیں کھیت
مصنف:	عزام محسن
تعداد:	ایک ہزار
تاریخ:	جنوری2024
زیر انتظام:	اساس انسٹی ٹیوٹ
پبلشر:	اردو سرائے
رابطہ نمبر:	محمد عبداللہ 0334-9363518

دل کی بات

قدرت نے انسان کے سامنے دو راستے رکھے ہیں۔ایک حق اور دوسرا باطل ...ایک سچ اور دوسرا جھوٹ ...ایک صحیح اور دوسرا غلط...اس وقت دنیا میں جتنی بھی نظریاتی محنت ہو رہی ہے ،اس میں ہر کوئی اپنے آپ کو حق اور سچ کا دعویدار کہتے ہوئے دوسرے کو غلط اور جھوٹ ثابت کر رہا ہے۔

خالقِ کائنات نے اپنی کتاب،قرآن مجید فرقانِ حمید میں حق اور باطل کی نشانیاں واضح کی ہیں ۔حق والوں کا راستہ بھی بتایاہے اور باطل کی ریشہ دوانیوں سے بھی پردہ چاک کیاہے۔باطل نے حق کا راستہ روکنے کے لیے کبھی علی الاعلان اُسے للکارا ہے اور کبھی حق کا جعلی روپ دھار کر بہروپیے کی شکل اختیار کی اور حق والوں کو سیدھے راستے سے بھٹکانے کی کوشش کی ہے۔اس ساری محنت کے پیچھے نسلِ آدم کا ازلی دشمن ابلیس ہی ہے۔

ابلیس جب سے راندۂ درگاہ ہوا،تب سے ہی انسان کو گمراہ کرنے پر لگا ہوا ہے۔ایسی صورتِ حال میں انسان کے لیے درست راستے کا انتخاب ضروری اور لازم ہو جاتا ہے۔ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دراصل خاتم النبیین ہیں۔ان کے بعد قیامت تک کوئی نبی اپنی نبوت کے ساتھ نہیں آئے گا، مگر قدرت کے اس فیصلے سے بغاوت کرنے والے کئی شیطان کے ہرکارے میدان میں آئے،اپنا اپنا منجن بیچا،عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔انہیں میں ایک نام مرزا غلام احمد قادیانی کا ہے جس نے خود کو یسوع مسیح کہتے ہوئے نبوت جیسے عظیم مرتبے کی توہین کی۔

مرزے کی سوچ دراصل ہندوستان میں انگریز سرکار کی طے شدہ پالیسی کا تسلسل تھی۔قیامِ پاکستان کے بعد مرزے کے بدبخت پیروکاروں نے اس نئے اسلامی ملک میں اپنے پنجے گاڑنے

شروع کر دیے۔ مگر فدایانِ ختم نبوت کی بیش بہا قربانیوں کی بدولت حکومتِ پاکستان کو انھیں غیر مسلم اور کافر قرار دینا پڑا اور اب ان کا کفر آئینِ پاکستان کا حصہ ہے۔ مگر اس کے باوجود قادیانی اسلام کا لبادہ اوڑھے مسلمانوں کو بہکانے میں مصروف ہیں۔ اسی سلسلے میں ادارہ ''اساس'' نے بھرپور انداز میں جواب دیتے ہوئے اہلِ اسلام کو ان کی چالوں سے خبردار کیا ہے۔

قادیانیت کے مکروہ چہرے سے نقاب اتارتے ایسے واقعات، ایسی کہانیاں جو روز کہیں نہ کہیں وقوع پذیر ہوتی ہیں، ادارہ اساس نے انھیں جمع کر کے نئے اسلوب کے ساتھ ''آستین کے سانپ'' کا عنوان دیا ہے۔ یہ کہانیاں مختلف ذیلی عنوانات کے ساتھ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ انھیں خود بھی پڑھیے اور دوسرے مسلمانوں تک پہنچانے میں ہمارے معاون بھی بنیے۔

اساس انسٹیٹیوٹ

چڑیاں چگ گئیں کھیت

اس کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھاتی ''اسلامک سنٹر'' کی جانب رواں دواں تھی۔ جیسے ہی وہ مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئی، تو اس کے اوسان کچھ بحال ہوئے۔ یہاں جنید اور کشف نے اس کا استقبال کیا تھا۔

''سیما... ! بھئی پانی لاؤ جلدی سے۔''

جنید نے ملازمہ کو آواز دی تو اگلے دو منٹ میں وہ پانی کا جگ اور گلاس میز پر رکھ چکی تھی۔

''ہاں ! اب بتاؤ عاتکہ... ! اتنی گھبرائی ہوئی کیوں تھی تم؟'' کشف نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

وہ... بس... وہ ناں۔۔! میں یونیورسٹی سے رکشے میں سیدھا اسی طرف آ رہی تھی۔ یہاں سے چند قدم ہمارا رکشہ خراب ہو گیا، میں نے سوچا کہ اتنا فاصلہ تو پیدل بھی طے کیا جا سکتا ہے۔ جیسے ہی رکشے والے کو کرایہ دے کر میں پیدل روانہ ہوئی، تو اچانک میرے قریب ایک گاڑی آ کر رُکی۔

''اوہ ! لگتا ہے کوئی گڑ بڑ ہو گئی ہے۔'' جنید نے خدشہ ظاہر کیا۔

"ہاں... ایسی کوئی بات نہیں، بچت ہو گئی۔" عاتکہ نے پانی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"کون تھا وہ گاڑی والا۔۔؟" کشف نے اسے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

"پاپا کے ایک بہت اچھے دوست تھے گلریز صاحب...! انھوں نے مجھے اس علاقے میں اکیلے اور پیدل سفر کرتے دیکھا تو حیرانی سے میرے قریب گاڑی روک دی تھی۔ وہ مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ اسی لیے اُن اِصرار تھا کہ وہ مجھے گھر تک ڈراپ کر دیں گے۔"

عاتکہ نے ٹھہر ٹھہر کر تفصیل بتائی۔

"اوہ...! پھر تم نے کیا کہا۔۔؟" جنید کے چہرے پر تجسس تھا۔

"کہنا کیا تھا... انھیں جھوٹ موٹ بتانا پڑا کہ میں یہاں ایک سہیلی کے گھر آئی ہوں، خود ہی چلی جاؤں گی۔ وہ مجھے ہر صورت میری منزل تک ڈراپ کرنا چاہتے تھے۔ بڑی مشکل سے انھیں قائل کر کے روانہ کیا اور یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوئی ہوں۔"

عاتکہ نے مکمل بات بتائی، مگر ابھی تک اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔

"ویسے ایک بات ہے عاتکہ..." کشف نے مسکراتے ہوئے کہا:

"تمھاری ہمت، حوصلے اور صبر کو داد دینا پڑے گی یار۔ اتنے مہینوں سے تم یہ سب چھپ چھپا کر کر رہی ہو، مگر مجال ہے کسی کو ہوا تک لگنے دی ہو، بھئی مان گئے تمھیں۔" کشف نے عاتکہ کی تعریفوں کے پُل باندھے تو اس کا سیروں خون بڑھ گیا۔

"مگر عاتکہ... یہ سب کب تک چلے گا بھئی؟ کبھی ناں کبھی تو تمھارے گھر والوں کو حقیقت کا پتا چلنا ہی ہے، تو پھر کیوں ناں، کل کے بجائے آج ہی یہ کام ہو جائے؟" جنید نے بے زاری سے کہا تھا۔ اس پر عاتکہ تلملا اُٹھی:

"اچھا... تو تم چاہتے ہو، کہ سب خاندان والے میرے دشمن بن جائیں؟"

"ایسی بات نہیں ہے بھئی... دشمن بنانا ضروری نہیں، اچھی حکمت عملی سے بھی تو یہ کام کیا جا سکتا ہے ناں۔" جنید نے جواب دیا۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہا ہے جنید...! تم یہ دیکھو عاتکہ کہ اب تمھاری چھوٹی بہن بھی تو تمھاری

بات کو سمجھنے لگی ہے ناں۔اسی طرح تم رفتہ رفتہ خاندان کے دیگر لوگوں کو بھی غیر محسوس انداز میں اپنی طرف مائل کرو،تاکہ تمھیں سب چھپ چھپا کر نہ کرنا پڑے۔“

کشف نے اس معاملے میں جنید کی حمایت کی تھی۔

”بات تو ٹھیک ہے... مگر کشف! میں یہ سب اتنی جلدی نہیں کر سکتی۔اس کے لیے مجھے آغا جی سلطان رحیم کی اجازت بھی تو چاہیے ہو گی ناں۔“

عاتکہ کی بات پر کشف نے لمبی سے ہونہہ نکالی اور کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگی:

”مجھے یقین ہے کہ آغا جی کل تک اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے واپس آجائیں گے، تب میں تمھاری ملاقات کروادوں گی۔دیکھ لیناوہ بھی تمھیں تمھارے خاندان کے حوالے سے مزید ٹاسک سونپیں گے۔یہ میری چھٹی حِس کہتی ہے۔“کشف نے ہنستے ہوئے کہاتو عاتکہ بھی مسکرادی۔

....☆....

جیسے ہی گارڈ نے بنگلے کا مین گیٹ کھولا، تو پورچ میں کھڑی گاڑی رفتہ رفتہ سرکتے ہوئے باہر نکلنے لگی۔خورشید زمان حسبِ معمول دس بجے اپنی فیکٹری کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔آج کی میٹنگز اور دیگر کاموں کی فہرست ان کی گاڑی کے ڈیش بورڈ پر موجود تھی۔البتہ چند فائلیں ان کے کمرے سے ملازمہ سلیمہ نے لا کر انھیں تھما دی تھیں۔جنھیں وہ اپنے ساتھ والی سیٹ پر رکھ چکے تھے۔

اس سے پہلے کہ خورشید زمان کی گاڑی آگے بڑھتی، ملازمہ نے انھیں پیچھے سے آواز دی:

”صاحب جی! ذرا سنیے... چھوٹی بی بی صاحبہ آپ کی طرف آرہی ہیں۔“

رشیدہ نے کہا،اس کے ساتھ ہی دروازہ کھلا، تو خورشید صاحب بیک مرر میں دیکھ کر مسکرا دیے۔گھر کے دروازے سے مین گیٹ تک لان کا ہرا بھرا ایریا تھا۔عاتکہ لان کی پگڈنڈی سے ہوتی ہوئی خراماں خراماں اپنے باپ کی گاڑی کی جانب آرہی تھی۔

”آج پھر کوئی چیز بتانا بھول گئی میری بیٹی؟“ خورشید زمان نے عاتکہ کے قریب آنے پر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی بابا.... مگر کوئی خاص چیز نہیں، بس یہی ہے۔"

عاتکہ نے کاغذ کا ایک ٹکڑا اپنے بابا کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دیے۔

"ہاہا.... اچھا بھئی کن چیزوں کی فہرست ہے؟ کیا چاہیے میری بیٹی کو۔"

"اجی.... نہیں باباجان.... یہ فہرست نہیں، بس چند سوالات ہیں۔"

عاتکہ نے کہا تو خورشید زمان کے چہرے پر آئی مسکراہٹ یک دم حیرت میں بدل گئی۔

"سوالات...؟ کیسے سوالات؟ کچھ مجھے بھی تو پتا چلے۔"

"باباجان...! مجھے ان کے جوابات کسی عالم دین سے لے دیجیے۔ ایک سہیلی نے فرمائش کی ہے۔"

عاتکہ نے کہا تو خورشید صاحب نے کاغذ کا ٹکڑا کھول کر دیکھا، پھر اسے تہہ کر کے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"آج یونیورسٹی جانے کا موڈ نہیں بیٹی؟" انھوں نے سٹیرنگ پر ہاتھ جماتے ہوئے پوچھا۔

"جی بابا.... کچھ دیر تک نکلنا ہے ناشتے کے بعد۔"

عاتکہ نے جواب دیا اور بابا کو ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی خورشید زمان صاحب کی کالے رنگ کی کار گیٹ سے باہر نکلی اور فراٹے بھرتی ہوئی انڈسٹریل اسٹیٹ کی جانب روانہ ہو گئی، جہاں ان کی الیکٹرک اوزاروں والی فیکٹری تھی۔

....☆....

فون کی گھنٹی بجی۔ ڈاکٹر عامر حیات نے نمبر دیکھتے ہوئے فون کان کو لگایا۔

"السلام علیکم مفتی صاحب! بڑی عمر ہے آپ کی، آپ ہی کو یاد کر رہا تھا میں۔"

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ... ڈاکٹر صاحب! خیریت تو ہے جو آپ ہمیں یاد فرما رہے تھے؟"

مفتی صاحب کی چہکتی آواز سنائی دی۔

"جی بالکل! ایویں بس ملاقات کا دل تھا۔"

"تو چلے آیئے ڈاکٹر صاحب...! میں نے آپ کو ایک اہم کام کے لیے کال کی تھی۔ آپ تشریف لے آئیں، ہمیں خدمت کا موقع دیں، ساتھ ساتھ ہم اس کام پر بھی بات کر لیں گے۔"' مفتی صاحب نے کہا تو ڈاکٹر صاحب نے ہامی بھر لی۔

ڈاکٹر عامر حیات ٹھیک پندرہ منٹ کا راستہ اپنی گاڑی پر طے کر کے مدرسے کی دہلیز پر پہنچ گئے، جہاں ایک طالب علم ان کی راہنمائی کرتا ہوا انھیں دارلافتاء تک لے گیا، مفتی صاحب اُن کا انتظار کر رہے تھے۔

"زہے نصیب ڈاکٹر صاحب! کہ آپ ہمارے غریب خانے پر تشریف لائے۔"

"اجی! یہ تو ہمارے لیے سعادت اور ہماری خوش قسمتی ہے۔" ڈاکٹر صاحب انھیں گلے ملتے ہوئے بولے۔

علیک سلیک کے بعد مفتی صاحب نے قریب بیٹھے ایک آدمی کا تعارف کروایا۔

"اِن سے ملیے.... یہ ہمارے بڑے اچھے دوست ہیں خورشید زمان.... ایک بڑی الیکٹرک فیکٹری کے مالک ہیں۔ انھیں مجھ سے کوئی کام تھا، اس لیے یہاں تشریف لے آئے آج۔"

مفتی صاحب نے یہ کہتے ہوئے ایک پرچی خورشید صاحب کے ہاتھ سے لی اور ڈاکٹر صاحب کی طرف بڑھا دی۔

"ڈاکٹر صاحب! کہنے کو تو آپ سماجیات میں پی ایچ ڈی ہیں، مگر حقیقت یہی ہے کہ آپ ماشاء اللہ ہمارے لیے ایک گوہر نایاب ہیں۔ آپ جیسی علمی اور دینی شخصیت سے تعلق ہمارے لیے باعثِ افتخار ہے۔ چونکہ پرچی پر درج سوالات کا تعلق آپ کے دینی شعبے سے ہے، تو ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ کو اس معاملے میں زحمت دی جائے۔"

مفتی صاحب نے ڈاکٹر عامر حیات کے علمی کارناموں کا اعتراف بڑے خوبصورت انداز میں کیا تھا۔

پرچی ہاتھ میں پکڑتے ہی ڈاکٹر صاحب اسے کھول پڑھنے لگے۔ اچانک اُن کے چہرے کا رنگ تبدیل ہونا شروع ہو گیا۔

"یہ.... یہ سوالات.... کیا آپ لائے ہیں یہ ؟"

ڈاکٹر صاحب نے پاس بیٹھے خورشید زمان سے پوچھا۔

"جی بالکل.... میں ہی لایا ہوں، مگر خیریت تو ہے ناں؟" انھوں نے حیرت سے پوچھا۔

"یعنی آپ نے خود سوچے، اور خود لکھے ہیں؟" ڈاکٹر صاحب کے لہجے میں تجسس تھا۔ اس پر خورشید زمان نے کہا:

"نہیں ڈاکٹر صاحب! خود نہیں لکھے، میری بیٹی نے دیے ہیں، اُسی کو ان سوالوں کا جواب چاہیے۔"

خورشید زمان نے بتایا تو ڈاکٹر صاحب سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"دیکھیے محترم! ان سوالات سے واضح ہے کہ یہ مرزا قادیانی کے کسی پیروکار نے ترتیب دیے ہیں اور ان کے جوابات سے وہ کسی اور کو اپنے نظریے کا قائل کرنا چاہتا ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے کہا تو خورشید زمان کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔

"آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں ڈاکٹر صاحب! میں مسلمان ہوں، میری بیٹی مسلمان ہے الحمدللہ.... آپ اندازوں کی بنیاد پر کسی کے بارے میں اتنی بڑی رائے کیسے قائم کر سکتے ہیں۔"

خورشید زمان کو ڈاکٹر صاحب کی بات پر شدید اعتراض ہوا تھا۔ اس پر کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ پھر کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر صاحب نے خاموشی توڑی اور ایک نیا مطالبہ سامنے رکھ دیا۔

"خورشید صاحب! آپ برا مت مانیے، مگر کیا ایسا ممکن ہے کہ پردے میں رہتے ہوئے آپ کی بیٹی سے ملاقات کر کے ہم براہ راست ان سوالات کے جوابات اُسے دے دیں؟" اس پر خورشید صاحب نے انکار کر دیا۔

چاروناچار ڈاکٹر صاحب کو ان سوالات کے جوابات ایک ہی نشست میں وہیں بیٹھ کر دینے پڑے۔

ماحول کچھ نارمل ہوا تو چائے کے دوران مفتی صاحب نے خورشید صاحب کو مخاطب کیا:

”خورشید صاحب! یہ بھی تو ممکن ہے کہ آپ کی بیٹی کو یہ سوالات کسی نے دیے ہوں؟“

”جی بالکل! یہ ممکن ہے۔ بلکہ مجھے یاد آیا، بقول میری بیٹی کے، یہ سوالات اس کی کسی سہیلی نے دیے تھے۔ کیا پتا جس نے سوالات دیے ہوں وہ بندہ یا بندی احمدی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔“

خورشید صاحب نے کہا تو مفتی صاحب اور ڈاکٹر عامر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”کیا آپ کے علم میں ہے کہ آپ کی بیٹی کی سہیلیاں کون کون ہیں اور وہ کیسا عقیدہ رکھتی ہیں؟“ مفتی صاحب نے سوال پوچھا۔

”ایسی تفصیل تو میں نہیں جانتا، ہاں البتہ یاد آیا۔“ خورشید صاحب کچھ سوچتے ہوئے رُکے اور پھر کچھ دیر ٹھہر کر دوبارہ بولے:

”اتنا مجھے معلوم ہے کہ دو سال قبل احمدی کمیونٹی کا ایک پروگرام میری بیٹی کی یونیورسٹی میں ہوا تھا۔ انجانے میں میری بیٹی نے بھی اس پروگرام میں شرکت کی تھی، لیکن جب مجھے اس چیز کا پتا چلا تو میں نے اس سے استفسار کیا، اس کے اقرار کے بعد میں نے غصے میں بیٹی کو سرزنش کی تھی۔“

”اوہ! بہت برا ہوا یہ تو...“ ڈاکٹر صاحب نے افسوس کا اظہار کیا۔

”لیکن بعد میں مجھے احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی ہے۔ مجھے بیٹی کو پیار سے سمجھانا چاہیے تھا۔ چناں چہ میں نے بیٹی کے سامنے اپنے سر پہ ایک وزنی چیز دے ماری تھی، جس سے خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔“

”اوہ... اللہ رحم۔“ ڈاکٹر صاحب کے منہ سے نکلا۔ خورشید صاحب نے بات آگے بڑھائی:

”میری یہ حالت دیکھ کر بیٹی نے فوری طور پر مجھ سے معذرت کی اور انجانے میں کی جانے والی اپنی غلطی کا اعتراف کر کے آئندہ کے لیے توبہ کی تھی، وہ واقعی بہت معصوم روح ہے مفتی صاحب! اسے جب علم ہوا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں بلکہ دھوکے باز ہیں، تو اپنی نادانی پر بہت پشیمان ہوئی تھی۔ وہ دن اور آج کا دن...، پھر اس نے کبھی بھی ایسی غلطی نہیں دہرائی۔ مجھے اپنی بیٹی پہ پورا یقین ہے۔“

خورشید صاحب نے اپنی بیٹی کے بارے میں مکمل تفصیل بیان کی، تو ڈاکٹر عامر حیات اور مفتی عبداللہ سعید صاحب چکرا کر رہ گئے۔اب وہ کن اکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے۔

....☆....

اپنے کمرے میں موجود عاتکہ تیزی سے تیاری میں مصروف تھی۔اس نے اپنی چھوٹی بہن مہرین کو بھی اپنی مدد کے لیے بلا لیا تھا۔آج کی رات اُس کے بابا جان خورشید زمان اپنے دفتر ہی سے ایک میٹنگ کے سلسلے میں اسلام آباد جانے والے تھے۔عاتکہ کے لیے یہ سنہری موقع تھا کہ وہ کشف کے ساتھ اسلامک سنٹر میں ایک رات کا قیام کرے۔کیوں کہ کام ہی کچھ ایسا تھا جو کئی گھنٹے توجہ مانگتا تھا۔ساتھ ساتھ آغا جان سلطان رحیم سے ملاقات بھی طے تھی۔

امی جان سے وہ اجازت لے چکی تھی۔مگر یہ کیا؟ عین وقت پر بابا جان کی کال آگئی:

"عاتکہ بیٹی! رشیدہ سے کہنا تین کپ چائے تیار کر دے، ہم پندرہ منٹ تک گھر پہنچ رہے ہیں۔"

"مگر بابا....آپ تو اسلام آباد...." عاتکہ کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔

"ہاں بیٹا....!اسلام آباد جانے کا پروگرام میں نے فی الحال کینسل کر دیا ہے۔اس وقت گلریز صاحب اور محمود صاحب میرے ساتھ ہیں، ہم لوگ گھر آکر چائے پیتے ہیں۔" خورشید صاحب نے کہا تو عاتکہ نے دھیرے سے "جی ابو" کہتے ہوئے فون رکھ دیا۔اب اسے پریشانی نے آن گھیرا تھا کہ ابو جی کو رات گھر سے باہر گزارنے کا کیسے بتائے، وہ تو کبھی اس کی اجازت نہیں دیں گے۔پل بھر میں سارے پروگرام کا ستیاناس ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا آپی...؟آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔اور فون کس کا تھا؟" چھوٹی مہرین نے بیگ تیار کرتے ہوئے پوچھا۔

"بابا کی کال تھی...وہ اسلام آباد نہیں جا رہے، بلکہ ابھی گھر پہنچ رہے ہیں۔"

"اوہ....تو اس کا مطلب ہے کہ آپ بھی سنٹر نہیں جا سکتیں اب۔ہے ناں....!"

”مگر مہرین....! میرا جانا ضروری تھا۔ بڑی مشکل سے مجھے یہ وقت ملا تھا۔ اس کے بعد پتا نہیں کب باباجان لاہور سے باہر جائیں۔“

پریشانی کے عالم میں وہ اپنے ہونٹ کاٹے جا رہی تھی۔ اتنے میں اس کے موبائل پر گھنٹی بجی، سکرین پر کشف کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

”ہیلو! عاتکہ.... یار کہاں رہ گئی ہو، ابھی گھر سے چلی نہیں تم؟“ کشف نے پوچھا۔

”نہیں یار.... ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔“

”ارے...! سب خیریت تو ہے ناں۔“

” باباجان نے آج اسلام آباد جانا تھا۔ اسی لیے میں نے تمھیں آج رات کا وقت بتایا تھا۔ مگر ابھی ان کا فون آیا ہے، وہ اسلام آباد نہیں جا رہے، بلکہ گھر پہنچ رہے ہیں ابھی۔“ عاتکہ نے قدرے روہانسے انداز میں جواب دیا۔

”اوہ.... ویری بیڈ نیوز.... اب کیا ہو گا؟ میں نے تو آغا جان کو خصوصی طور پر آج کی رات ہی دعوت دی تھی، اور وہ پہنچنے والے ہیں۔ تم نہ آئی تو غضب ہو جائے گا۔“ کشف نے پریشانی سے کہا۔

”میں خود سوچ سوچ کر پریشان ہوں کشف....! بتاؤ کیا کیا جائے۔“

عاتکہ نے پوچھا تو دوسری طرف طویل خاموشی چھا گئی، پھر کچھ لمحے توقف کے بعد کشف کی آواز آئی:

”آئیڈیا..... زبردست آئیڈیا۔“

”جلدی سے بولو کشف..... کیسا آئیڈیا؟“ عاتکہ نے کہا۔

”آج رات تم اسلامک سنٹر کی بجائے ہماری مہمان ہو گی۔ یعنی ہمارے گھر..... اور وہ بھی تمھارے اور میرے امی ابو کی اجازت سے۔“

”نہیں.... یہ نہیں ہو سکتا، ابو ہر گز اجازت نہیں دیں گے۔“

”اجازت لینا میرا کام ہے۔ اگر اسلامک سنٹر کی وہ اجازت نہ دیں گے، تو ہمارے گھر رات کے قیام پر انھیں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“

کشف نے کہا اور عاتکہ کو راضی کر کے فون بند کر دیا۔

....☆....

خورشید زمان کے جانے کے بعد ڈاکٹر عامر حیات اور مفتی عبداللہ فکر مندی سے سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ کسی ماہر نباض کی طرح انھیں خورشید زمان کی بیٹی کے بارے چند خدشات لاحق ہو چکے تھے۔

''مفتی صاحب! کیا خیال ہے آپ کا.... خورشید صاحب کی بیٹی خدانخواستہ اگر سچ مچ مرتدوں کے چنگل میں پھنس چکی ہوئی تو؟۔''

''ڈاکٹر صاحب! مجھے بھی یہی خدشہ لاحق ہے۔ ہمیں اس کا جلد کوئی حل نکالنا ہو گا۔''

''میں نے لڑکی کو جوابات کچھ اس انداز میں دیے ہیں کہ جواب بھی درست ہو اور اس کو اپنی تسلی کے لیے مزید راہنمائی کی ضرورت بھی باقی رہے۔ اسی انداز میں ہم اصل حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔''

ڈاکٹر صاحب نے کہا اور پھر کاغذ پر پنسل سے کچھ لکھنے میں مصروف ہو گئے۔

اگلے ہی روز ڈاکٹر صاحب اپنے دفتر میں ختم نبوت کے حوالے سے کچھ مواد تیار کر رہے تھے۔ یہ اصلاحی مواد ایک پمفلٹ کی شکل میں چھپوانے کا فیصلہ کیا گیا تھا، تاکہ اسے خورشید زمان صاحب کے علاقے ماڈل ٹاؤن میں تقسیم کیا جا سکے۔

دو دن ہیں ختم نبوت کے حوالے سے تمام اصلاحی مواد شائع ہو کر آچکا تھا۔ مواد تقسیم کرنے کی ذمہ داری چند نوجوانوں کے سپرد کی گئی تھی۔ جنھوں نے دو گھنٹے محنت کر کے ماڈل ٹاؤن کے تمام علاقے میں اصلاحی مواد تقسیم کر دیا تھا۔ دوپہر سے شام ہوئی، تو اچانک ڈاکٹر عامر کے موبائل پر گھنٹی بجی۔ نامعلوم نمبر سے آنے والی کال کا ڈاکٹر صاحب کو انتظار تھا۔

دوسری طرف سے ایک لڑکی کی آواز ابھری۔ گویا تیر عین نشانے پر لگا تھا۔

''السلام علیکم! مجھے ختم نبوت کے حوالے سے کچھ سوالات پوچھنے ہیں۔''

لڑکی نے کہا تو ڈاکٹر عامر حیات نے مختصر بات چیت کے بعد اس کا نام پوچھا۔

”میں عاتکہ ہوں،آپ لوگوں کا ختم نبوت کے حوالے سے مواد پڑھا تو سوچا کہ مزید راہنمائی لے لوں۔“

لڑکی نے اپنا نام بتاتے ہوئے کمال ہوشیاری سے سوال کیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے اسے ختم نبوت کا مطلب، مقصد اور فضائل سنا کر سوالات کے جوابات کے لیے ملاقات کی شرط رکھ دی۔ وہ اس بات پر آمادہ تھے کہ اگر پردے کا اہتمام کر لیا جائے، تو میں گھر آکر ان سوالات کے جوابات دینے کو تیار ہوں۔ چناں چہ تھوڑی بہت ہاں ناں کے بعد اگلے دن دوپہر کا وقت مقرر ہو گیا۔ یعنی اب ڈاکٹر صاحب کو اگلے روز عاتکہ کے گھر اس کے سوالات کے جوابات دینے جانا تھا۔

....☆....

خورشید صاحب آج اسلام آباد نہیں جا سکے تھے۔ ان کے بچپن کے دو دوست انھیں ملنے آئے تھے۔ ویسے بھی اسلام آباد میں آج ہڑتال تھی، اس لیے وہ دفتر سے اپنے دوستوں کے ہمراہ سیدھے گھر چلے آئے تھے۔

چائے پیتے ہوئے وہ ماضی کی خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ اتنے میں ان کے موبائل کی گھنٹی بجی:

”السلام علیکم! جی کون بات کر رہا ہے؟“ انھوں نے موبائل کان کو لگاتے ہوئے پوچھا۔

”انکل! میں عاتکہ کی دوست بات کر رہی ہوں کشف۔۔!“

”اچھا.... ماشاءاللہ، کیا حال ہے بیٹا جی۔۔! ابو امی خیریت سے ہیں ناں؟“

”جی انکل...! سب ٹھیک ہیں۔ انکل، وہ ناں۔۔! آج مجھے عاتکہ کے پاس رات قیام کے لیے آنا تھا۔ ایک ضروری اسائنمنٹ مکمل کرنی ہے ہم دونوں نے، مگر۔۔۔ امی کی کچھ طبیعت خراب ہو گئی، اس لیے میں آ نہیں سکی۔“

”اوہ..... جی بسم اللہ بیٹا.... جب مرضی آؤ، آپ کا اپنا ہی گھر ہے۔ آج نہیں آسکتی تو کل آجانا،“ خورشید صاحب نے خوشدلی سے کہا۔

”نہیں انکل! اسائن منٹ کل جمع کروانی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو عاتکہ آج ہمارے گھر رات قیام کرلے۔“ کشف نے اصل مدعا بیان کرڈالا تھا۔ ایک لمحے کے لیے خورشید صاحب خاموش ہوگئے، پھر کشف کو دوبارہ فون کرنے کا کہہ کر اندر چلے گئے۔

”عاتکہ بیٹی! تمھاری کوئی ضروری اسائن منٹ رہتی ہے آج؟“

”جی...ابو جی...! وہ ناں... میں اور کشف مل کے بنا رہے تھے، اس نے آج آنا تھا ہمارے گھر، مگر وہ نہیں آسکی، اب وہ مجھے آنے کا کہہ رہی تھی، میں نے آپ کی اجازت سے مشروط کردیا تھا۔“

”بہت اچھے بیٹی! جیتی رہو، اگر اتنی ضروری اسائن منٹ تھی تو پہلے کیوں نہ بتایا، چلو تیاری کرو، میں تمھیں کشف کے گھر چھوڑ آتا ہوں۔“ خورشید صاحب نے کہا، تو عاتکہ دل ہی دل میں کشف کا یہ منصوبہ کامیاب ہونے پر بہت خوش ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ تیزی سے وہ اپنی تیاری بھی کیے جارہی تھی۔

مہرین نے بیگ میں ضروری چیزیں رکھیں، امی جان نے عاتکہ کے لیے کچھ بسکٹس اور چاکلیٹس بھی رکھ دیے، پھر انھوں نے کشف کو دوبارہ کال کرکے دھیان سے اسائن منٹ مکمل کرنے کی ہدایت کی اور کچن میں چلی گئیں۔

....☆....

دو بجے کے قریب زمان ہاؤس کی گھنٹی بجی۔ رشیدہ نے بی بی جی کے حکم پر دروازہ کھولا اور آنے والے مہمان کو ڈرائنگ روم میں بٹھادیا۔ عاتکہ نے جلدی سے کشف کو فون ملایا:

”ہیلو! کشف! یار وہ پمفلٹ والے صاحب گھر آچکے ہیں، میں اُن سے اپنے مطلوبہ سوالات پوچھنے جارہی ہوں۔ تم خلوص دل سے مہرین کے لیے بھی دعا کرنا، مہرین میرے ساتھ ہی ہوگی۔“

”شاباش عاتکہ! میری سب دعائیں تمھارے لیے ہیں۔ اب جاؤ، اس مولوی کو لاجواب کرکے مہرین کے دل و دماغ کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرو۔“ کشف نے اسے شاباش

دیتے ہوئے کہا۔

مہرین اور عاتکہ اب ڈرائنگ روم کی طرف قدم بڑھا رہی تھیں۔ عاتکہ نے امی جان کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ دوپہر کو ان کے ایک انسٹرکٹر آنے والے ہیں۔ اپنی اسائنمنٹ بارے ان سے کچھ چیزیں سمجھنی ہیں۔آپ بھی میرے ساتھ ہی ڈرائنگ روم جائیں گی۔امی جان نے کچن کی ذمہ داری سنبھال رکھی تھی،اس لیے انھوں نے مہرین کو عاتکہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بھیج دیا۔

دراصل ان دونوں کا منصوبہ بھی یہی تھا کہ امی جان کے بجائے وہی دونوں اندر جائیں، توقع کے عین مطابق امی جان نے اپنی مصروفیت کی وجہ سے مہرین کو ساتھ بھیج دیا تھا۔ڈاکٹر عامر حیات ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو محل نما در و دیوار کو تکتے رہ گئے۔ سلام دعا کے بعد انھوں نے اصل مدعا چھیڑ لیا۔وہ عاتکہ کے سوالات کی جوابات بھی دیتے جاتے،اور غیر محسوس انداز میں اس سے کچھ معلومات بھی اگلوائے جاتے۔

عاتکہ اور مہرین اس بات سے بالکل بے خبر تھیں کہ ڈاکٹر عامر حیات اُن کے والد سے بھی مل چکے ہیں۔ وہ دونوں انھیں اجنبی سا مولوی سمجھتی رہیں۔ مگر جب ڈاکٹر صاحب نے سوالات کے جوابات دیئے اور واضح دلائل دیے تو عاتکہ کو پہلی بار سبکی محسوس ہونے لگی تھی۔ بار بار وہ موضوع بدلنے کی کوشش کرتی۔

باتوں ہی باتوں میں ڈاکٹر عامر نے عاتکہ کی تعلیم، یونیورسٹی،اس کی پسندیدہ کتابوں اور دوستوں کے متعلق سوالات کیے، جو وہ جھجکتے ہوئے بتاتی رہی۔اچانک ڈاکٹر صاحب نے سوال کیا:

’’تمھیں قادیانیت مذہب اختیار کیے کتنا عرصہ ہوا؟‘‘ یہ سوال سن کر عاتکہ ایک دم اُچھل پڑی۔

’’کیا مطلب آپ کا؟‘ وہ ابھی تک شاکڈ تھی۔

’’مطلب یہی کہ دو اڑھائی سال قبل تم نے یونیورسٹی میں ہونے والے احمدیہ کمیونٹی کے ایک پروگرام میں شرکت کی تھی۔ بھول گئی؟ وہیں تو تھے ہم سب ؟ شاید تمھاری یاداشت کمزور ہے۔‘‘

''کک.... کیاآپ کو یہ سب علم ہے ؟''

ہاں تواور کیا.... میں تو تمھارے ساتھ ساتھ رہنے والے ان دوستوں کو بھی جانتا ہوں۔''

''مطلب.... جنید، حامد، ارم اور کشف کوآپ جانتے ہیں؟ مگر کیسے ؟''

''بس یہ بھی ایک راز ہے۔ ویسے راز تواور بھی بہت کچھ ہے، اگر کہیں تو تھوڑا بہت عرض کروں۔''

''جی.... جی کہیے آپ!'' عاتکہ ڈرے ڈرے لہجے میں بولی۔

''تمھارے بھیجے گئے پہلے سوالات کے جوابات بھی میں نے ہی لکھ کر تمھارے ابا جان کو دیے تھے۔''

اس اہم انکشاف پر تو عاتکہ اور مہرین جیسے لرز ہی اُٹھی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اس سارے منظر نامے کو سمجھتیں، ڈاکٹر صاحب بیرونی دروازے سے باہر نکل چکے تھے۔

....☆....

موبائل کی گھنٹی بجی، جیسے ہی خورشید صاحب نے کال اٹینڈ کی، دوسری طرف سے مفتی عبداللہ صاحب کی آواز گونجی:

''السلام علیکم! خورشید صاحب! آپ سے ملاقات آج اور اسی وقت بہت ضروری ہے۔ ابھی میرے پاس تشریف لا سکتے ہیں؟''

مفتی صاحب نے پوچھا تو خورشید زمان گھبرا گئے۔

''خیریت تو ہے مفتی صاحب!''

''بس آپ ذرا جلدی سے چلے آیئے میرے غریب خانے پر۔'' مفتی صاحب نے کہا اور فون بند کر دیا۔

آدھے گھنٹے بعد خورشید زمان تنگ گلیوں سے ہوتے ہوئے مفتی صاحب کے مدرسے پہنچ چکے تھے۔ سامنے ڈاکٹر عامر کو بیٹھے دیکھا تو ایک بار پھر وہ گرم جوشی سے گلے ملے تھے۔

''خیریت تو ہے ناں مفتی صاحب؟''

''خیریت ہی تو نہیں ہے، مگر مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ کیسے آپ تک وہ خبر پہنچاؤں، بہت اندوہ ناک ہے۔''مفتی صاحب نے جواب دیا۔

''اوہ... اللہ خیر، ایسا کیا ہو گیا بھئی۔''

''آپ کی بیٹی عاتکہ نا صرف قادیانی ہے، بلکہ اب وہ قادیانی مبلغہ بھی بن چکی ہے۔''

یہ سنتے ہی خورشید صاحب کی وہ حالت تھی جیسے ڈاکٹر عامر حیات نے جیسے ان کے سر پر بم پھوڑ دیا ہو۔ پانی کا گلاس ان کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔ ہاتھ ان کے لرز رہے تھے۔

''کیسے.... آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟''خورشید صاحب بے قابو ہو رہے تھے۔

''صرف یہی نہیں، آپ کی دوسری بیٹی مہرین بھی ان کی باتو ں کا اثر لے چکی ہے، اس پر بھی فوراً توجہ دیجیے۔''

مفتی صاحب نے کہا تو خورشید صاحب کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا، قریب تھا کہ وہ غش کھا کر گر پڑتے، ڈاکٹر عامر نے انھیں بانہوں میں بھر لیا اور حوصلہ دینے لگے۔ ساتھ ہی انھوں نے یونیورسٹی کا دو سال قبل کا ریکارڈ دیا، بڑی مشکل سے یہ ریکارڈ انھوں نے نکلوایا تھا۔ اس ریکارڈ کے مطابق دو سال قبل یونیورسٹی میں احمدیہ کمیونٹی کی طرف سے ایک پروگرام کا انعقاد ہوا تھا۔ ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر تین لڑکیوں اور دو لڑکوں نے قادیانی مذہب اختیار کر لیا تھا۔

سامنے کاغذ پر ان سب کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جنید، حامد، ارم، عنبرین اور عاتکہ۔ سب کے ناموں کے آگے ان کی ولدیت اور گھر کا پتا بھی لکھا ہوا تھا۔ ان سب کو کشف نامی ایک لڑکی نے وصول کیا تھا۔ خورشید صاحب نے کاغذ پہ لکھے ''عاتکہ خورشید زمان'' کو غور سے دیکھا اور پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

اسی وقت انھوں نے اپنا موبائل فون نکالا اور عاتکہ کو کال کی۔ عاتکہ کی آواز نے ان کا دل چیر کار کھ دیا:

”عاتکہ! دو سال قبل تمھارے ساتھ یونیورسٹی میں اور کس کس نے قادیانیت کو قبول کیا تھا؟“

اچانک ایسا سوال سن کر عاتکہ کے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ بابا جان کبھی فون پر اس طرحا سے سوال کریں گے۔ وہ یک دم گھبرا گئی: ”نن.... نہیں بابا جان! میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔“

”بکواس بند کرو.... میرے سامنے تمھارا پورا ریکارڈ پڑا ہے، مرزائیت کا بیعت فارم تمھارے ساتھ اور کس کس نے فل کیا تھا؟“

خورشید صاحب کا غصہ عروج پر تھا۔ عاتکہ کی منمناتی آواز آئی:

”میں، ارم، عنبرین، جنید اور حامد نے۔“

”کون تھا تمھیں اس طرف راغب کرنے والا؟“

”سوری بابا! میں نہیں بتا سکتی۔“ وہ بے لحاظ ہو چکی تھی۔

”اس کا مطلب ہے تم اُس رات کشف کے گھر اسائن منٹ بنانے نہیں، کسی اور مقصد کے لیے گئی تھی... ہے ناں۔“

آگے سے طویل خاموشی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے خورشید زمان کو حوصلہ دیا اور حامد، ارم اور عنبرین کے متعلق بتایا کہ وہ پاکستان سے بھاگ کر باہر جا چکے ہیں، جہاں ان کی شادیاں ہو چکی ہیں اس سارے گینگ کے پیچھے کشف، اس کے والدین اور دیگر قادیانی لوگ پیش پیش تھے۔

خورشید زمان تیزی سے اُٹھے اور سلام لے کر تیز تیز قدم اٹھاتے باہر نکل گئے۔ وہ اپنے دل کو تسلی دے رہے تھے:

”میں انھیں یہاں سے دور لے جاؤں گا دور، یہاں کوئی بھی میری بیٹیوں کے ایمان پر ڈاکا نہیں ڈال سکے گا، میری معصوم سی، پھول سی بچیاں ہائے یااللہ کیسے وہ ظالموں کے بہکاوے میں آگئی ہیں۔ مجھے معاف کرنا میرے مالک مجھ پہ کرم کرنا۔“

خورشید زمان گاڑی چلاتے ہوئے باقاعدہ روئے جا رہے تھے۔ دونوں بیٹیوں کے آئی ڈی

کارڈز کی کاپیاں ان کے پاس موجود تھیں، اس لیے جاتے جاتے وہ پاسپورٹ آفس سے ہو لیے، صرف یہ پتا کرنے کہ بچیوں کا پاسپورٹ کتنی دیر میں مل جائے گا۔

مگر یہ کیا.... یہاں بھی ان کے لیے ایک نئی مصیبت تھی۔ پاسپورٹ آفس والوں کے بقول اس نام اور شناختی کارڈ والی بچیوں کے پاسپورٹ پہلے سے بنے ہوئے ہیں۔ خورشید صاحب حیران وپریشان کہ ہا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟ کچھ سمجھ نہیں آتا۔ تیزی سے انھوں نے گھر کی راہ لی، گھر پہنچ سب سے پہلے انھوں نے دونوں بیٹیوں کو طلب کیا۔

باپ کا غصہ دیکھتے مہرین چلااُٹھی: ''باباجان! میرے بارے میں آپ نے غلط سنا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''تم لوگوں کے پاسپورٹ کدھر ہیں؟ کس نے وہ پہلے سے بنوا رکھے ہیں۔''

''ہمیں معلوم نہیں باباجان...!''

عاتکہ نے اپنی خوب صفائیاں پیش کیں، مگر جیسے اس نے اعتراف کیا کہ اس نے بیعت فارم فل کیا تھا، تو ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے کو لال کر گیا۔

عاتکہ کی آنکھیں نمناک ہوئیں، مگر اس نے کچھ نہیں بتایا۔

اباجی...! کل صبح میں پاسپورٹ والا معاملہ بھی حل کر دوں گی، آپ بے فکر رہیں، میں عاتکہ باجی کو بھی سمجھاؤں گی۔ مہرین نے آگے بڑھ کر کہا تو خورشید زمان ذرا پیچھے ہٹ گئے۔ انھیں اعتبار ہو چلا تھا کہ مہرین بے شک عمر میں چھوٹی ہو، مگر عاتکہ کی طرح ان کو ستائے گی نہیں۔

دوسرے دن خورشید زمان کے گھر ایک کہرام بپا تھا، مہرین اور عاتکہ نہ جانے کہاں چلی گئی تھیں، دونوں ہی اپنے کمرے میں موجود نہیں تھیں۔ تلاش شروع ہوئی، تھانے کچہری اور اِدھر اُدھر بھاگم دوڑی ہونے لگی۔ مگر عاتکہ اور مہرین کو ملنا تھا اور نہ وہ ملیں، انھیں ہر دوست، ہر رشتے دار کے گھر دیکھا گیا، مگر کہیں کوئی سراغ نہیں ملا۔ ماں کا رو رو کر برا حال تھا۔ بدنامی الگ سے تھی۔

ایک دن خورشید صاحب کو ایک نامعلوم نمبر سے کال موصول ہوئی:

''ہیلو باباجان ...!! میں عاتکہ بات کر رہی ہوں، ہم دونوں خیریت سے لندن پہنچ گئی

ہیں۔ ہم نے نکاح بھی احمدی لڑکوں سے کر لیے ہیں۔''فون خورشید زمان کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا:

''ہائے میرے خاندان اور میری اولاد پہ آج یہ وقت.... اے کاش ہمیں موت آجائے۔''وہ روئے جا رہے تھے۔ اس سارے منظر نامے میں وہ خود کو قصور وار سمجھ رہے تھے۔ ساری اپنی بے توجہی اور نالائقی سمجھ رہے تھے۔ مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت...!!

ویسے ہیں تو یہ چڑیاں بھی اللہ ہی کی مخلوق... مگر جب یہی چڑیاں کسی زمین پر اُگائی گئی اور پکی پکائی فصل چگ جائیں یا تباہ کر جائیں تو کسان کی حالت دیکھنے والی ہوتی ہے ۔ کیوں کہ فصل کی حفاظت ہی آخر میں کسان کو بہترین مالی نفع دیتی ہے اور ذرا سی بے توجہی یا لاپرواہی اسے بہت بڑے نقصان سے دوچار کرتی ہے۔ یہی قدرت کا قانون اور یہی آئینِ فطرت ہے۔

فصل چاہے کسان کی ہو یا ایمان کی ...اس کی حفاظت کرنے والا ہی فائدے میں رہتا ہے۔ ورنہ کئی شکاری چال بُنتے ہیں ... کئی پرندے جال کے دھوکے میں فصلیں تباہ کرنے اترتے ہیں اور بہت بار وہ اس کام میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ساتھ وہ اپنا نقصان بھی کروا چکے ہوتے ہیں۔

☆....☆....☆